پروفیسر محمد عباس نجمی

شاہ جی اور اُن کی اولاد

میرا تعلق ایک جاٹ کسان قبیلے سے ہے ہمارے گاؤں چک نمبر ۱۲/۴۲- ایل تحصیل چیچا وطنی ضلع ساہیوال میں زیادہ تر جاٹ کاشتکار ہی آباد ہیں اور کھیتی باڑی ان کا پیشہ ہے۔ میرے والد کے ایک ماموں زاد بھائی حافظ عبدالرشید چیمہ کا دل کاشتکاری میں نہ لگا اور وہ سکون قلب کیلئے مرشد کی تلاش میں چل نکلے۔ سلوک و معرفت اور شریعت وطریقت کے عرفان و ایقان کیلئے عمر کے ابتدائی سالوں ہی میں وہ برصغیر کے عظیم روحانی مرکز خانقاہ سراجیہ کندیاں سے وابستہ ہو گئے۔ اس خانقاہ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت خواجہ خان محمد دامت برکاتہم العالی گزشتہ کئی برسوں سے سال میں ایک آدھ مرتبہ ہمارے گاؤں تشریف لاتے ہیں اور اس موقع پر علاقے بھر سے ان کے مریدین یہاں جمع ہوتے ہیں۔ حافظ صاحب مدظلہ العالی فطری طور پر ایک شریف النفس، نیک دل، پارسا، متقی اور پرہیز گار شخص ہیں۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کی نسبت کو زندہ رکھنے کیلئے گاؤں میں ایک مسجد تعمیر کرائی اور ساتھ ہی قرآن پاک کی تعلیم کیلئے ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ موجودہ مجلس احرار اسلام کے جواں سال رہنما عبداللطیف خالد چیمہ، حافظ صاحب کے فرزند ہیں۔

گزرے وقتوں کے حالات و واقعات کو ان کی اصل شکل میں لوٹانا تو شاید انسانی اختیار میں نہیں۔ ہاں---- البتہ---- بیتے موسموں اور گزری رُتوں میں کھلنے والے یادوں کے گلابوں کی مہک سے حال گھڑی میں کچھ لمحوں کیلئے اپنے دل دماغ کو معطر ضرور کیا جاسکتا ہے۔

لگ بھگ اٹھائیس برس پہلے کی بات ہے ہمارے گاؤں کے اسی دینی مدرسے میں قرآن پاک کی تعلیم دینے کے لئے ایک جواں سال قاری صاحب مدرس اور معلم کی حیثیت سے تشریف لائے۔ سرخ و سفید چہرے پر نوخیز ریش مبارک، موٹی موٹی چمکدار آنکھیں، کھلا روشن ماتھا، صحت مند اور توانا جسم، جلال وجمال کی ملی جُلی کیفیات کے حسین امتزاج کا عکسِ جمیل، وجاہت اور وقار کے باوصف ایک بے پرواہ سی شخصیت کے مالک یہ جوان رعنا محض حافظِ قرآن ہی نہ تھے بلکہ قادرِ مطلق نے انہیں خوش شکلی کے ساتھ ساتھ خوش الحانی ایسی نعمتِ گراں مایہ سے بھی نواز رکھا تھا۔ خود نہ صرف حافظ وقاری بلکہ قرأت کے اسرار و رموز سے بھی بخوبی آگاہ۔ دوست دار، باذوق، خدمت گزار، بے تکلف اور حد درجہ محبت کرنے والے اس شخص کا نام سید عطاء المہیمن بخاری تھا اور ان کے احباب انہیں "پیر جی" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

میں اور برادر عزیز عبداللطیف خالد چیمہ بہت قلیل عرصے میں انکی شاگردی کے دائرے سے نکل کر دوستی کے حلقے میں داخل ہو گئے۔ اٹھائیس برس ہونے کو ہیں دوستی محبت خلوص اور چاہت کے اس رشتے نے ہر مشکل وقت میں ایک قابل قدر حوصلہ اور انمول اطمینان عطاء کیا ہے۔ اور ان شاء اللہ العزیز عظیم

المرتبت باپ کے اس فقیر اور درویش بیٹے سے مجھے تادمِ واپسیں مہر و مروت کی خیرات ملتی رہے گی۔

پیر جی کو ہمارے گاؤں آئے ہوئے ابھی چند ہفتے گزرے ہوں گے کہ بیٹھے بٹھائے ایک دن انہوں نے اپنی ڈائری سے ایک فوٹو گراف نکال کر دکھائی۔ پہلی نظر میں مجھے لگا جیسے یہ انکی اپنی تصویر ہے۔ میری آنکھوں میں حیرت بھرا سوال دیکھ کر خود ہی کہنے لگے ہاں! بہت سے لوگوں کو ایسا ہی شک گزرتا ہے تاہم یہ میری نہیں میرے اباجی کی تصویر ہے ان کا نام سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھا۔ تب میں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا۔ اور اس وقت میرا مبلغ علم بس اتنا ہی تھا جتنا کہ اوسط درجے کے ایک دیہاتی طالب علم کا ہو سکتا ہے سو بات آئی گئی ہو گئی کچھ دنوں بعد دوران گفتگو جب میں نے اپنے گاؤں کے ایک شخص کو یہ بتایا کہ ہمارے نئے استاد، سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بیٹے ہیں تو جیسے اُسے میری بات کا یقین نہ آیا ہو۔ اور کہنے لگا۔ ہوں۔۔۔۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بیٹے اور یہاں۔۔۔۔ اس گاؤں میں۔۔۔۔ بھلا اس بستی کے ایسے نصیب کہاں؟ وہ لمحہ وہ گھڑی مجھے اچھی طرح ابھی تک یاد ہے۔ یکایک ایسے جیسے مجھے ایک لمحے میں سب کچھ بتا دیا گیا ہو کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کون تھے۔ وہ لمحہ۔ وہ مہربان لمحہ۔ جس کے وسیلے سے میری حیرت نے یقین کا روپ اختیار کیا۔ وہ محسن گھڑی جس کے توسط سے مجھے عصرِ حاضر کے بہت بڑے انسان سے ملنے کا موقع ملا اپنے عہد کی جلیل القدر ہستی سے یہ میرا پہلا تعارف تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ اس نام کا نور میری رگوں میں اترتا چلا گیا۔ اس کی عظمت کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا۔ اس کی محبت کے شبنمی موتی دل دھرتی کو قطرہ قطرہ سیراب کرنے لگے۔ سوچ سمندر میں اس کی فکر و دانش کے سفینے تیرنے لگے۔ ذہن کے آسمان پر اسکی محبت اور عظمت کے ستارے جھلملانے لگے۔ زندگی کو سلیقہ مل گیا۔ جرأت حمیت اور غیرت کا مفہوم سمجھ میں آگیا۔

جنوبی ایشیا سے تعلق رکھنے والے رواں صدی کے مسلم مشاہیر میں سے ان گنت نام اپنی قومی ملی سیاسی ثقافتی اور دینی خدمات جلیلہ کی وجہ سے ہزاروں بلکہ لاکھوں دلوں میں بستے ہیں۔ میں نے گزری عمر کے تمام مرحلوں میں جذباتی اور شعوری ہر دو سطحوں پر نظریاتی فکری روحانی ہر لحاظ سے ہمیشہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا رہبر مرشد اور رہنما تسلیم کیا ہے۔

اپنے مذکورہ محبوب اور ممدوح کو زندگی میں کبھی سننے کا اتفاق ہوا نہ دیکھنے کا۔ ہاں البتہ ان کے بہت سے دیکھنے والوں کو دیکھا بھی اور سنا بھی۔

ماضی قریب کے اس عظیم انسان کے وفادار ساتھیوں اور جانثار رضا کاروں کی زبانی بھی انکے کارنامے سنے ہیں اور ان کے مخالفوں سے بھی انکی تعریف۔ لیکن انکی ذات کا سچا عرفان اور شخصیت کی اصل پہچان بہر حال مجھے فرزندان امیر شریعت ہی کے ذریعے ہوئی ہے جو حقیقتاً اس مردِ مومن کی سیرت و کردار علم و دانش فکر و تدبر اور جلال و جمال کا دلربا عکس ہیں۔

ان کے چاروں فرزندان۔۔۔۔ گرامی مرتبت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری، مربی و محسن سید عطاء المحسن بخاری، محترم سید عطاء المومن بخاری اور ہمارے پیر جی سید عطاء المھیمن بخاری سب کے سب نہ صرف ظاہری شکل و صورت، شرافت و نجابت، حسن و خوبی کے حوالے سے اپنے بڑے باپ کی سچی تصویریں ہیں بلکہ جرأت و ہمت دلیری و بہادری بے غرضی و بے نفسی، حق گوئی و بے باکی ایثار و قربانی عزم و استقلال تسلیم و رضا زہد و عبادت تقویٰ و پرہیز گاری نیکی و جاں فشانی اور صبر و رضا میں بھی اپنے والد ماجد کے رنگ میں پوری طرح رنگے ہوئے ہیں۔ فرزندانِ امیر شریعت جہاں شخصی اور انفرادی طور پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے امتی اور راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے زندگی کے شب و روز گزار رہے ہیں وہیں ملی قومی اور اجتماعی کردار کی تعمیر و ترقی میں بھی مقدور بھر حصہ ڈالنے میں مصروف عمل ہیں۔ میرے جیسے ہزاروں گناہ گار مسلمانوں پر شاہ جی کے فرزندوں کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انکی صحبت میں بیٹھنے سے زندگی کی ترجیحات کے تعین میں سہولت پیدا ہو گئی۔

یہ چند روزہ زندگی نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے ہے یا خلقِ خدا کی خدمت اور پروردگار کی رضا جوئی کیلئے، اس سلسلے میں شاہ جی کے بیٹوں کا ووٹ قولاً فعلاً اور عملاً ہر لحاظ سے خلقِ خدا کی خدمت اور رب العالمین کی اطاعت کے حق میں ہے انہی کے توسط سے کائنات کی بہت بڑی سچائی سے ہم آشکار ہوئے کہ مادہ پرستی اور اخلاقی اقدار کے زوال کے اس دورِ پرفتن میں اگر انسانوں کو امن و آشتی اور فلاح و سلامتی کی ضرورت ہے تو اس کا واحد چشمہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔ اور ایک مسلمان کیلئے شعوری زندگی میں سب سے اہم بات اس کا عقیدہ ہوتا ہے۔ عقیدہ جس میں شرک و بدعت کی رتی بھر ملاوٹ نہ ہو۔ صحیح اور سچا عقیدہ رکھنے والا شخص ہی مضبوط اور بہادر ہوتا ہے جسے موت کے سوا دنیا کی کوئی طاقت زیر نہیں کر سکتی۔

یہ چاروں بھائی نہ تو فرشتے ہیں اور نہ ہی معصوم عن الخطاء تاہم وہ اپنی بشری خوبیوں اور خامیوں کے باوصف معقول تعداد میں ایسے مسلمانوں کی توجہ محبت اور عقیدت کا مرکز ہیں جن کا ظاہر اور باطن ایک ہوتا ہے۔ وہ جو کہتے ہیں وہ کر کے دکھاتے ہیں اور جو نہیں کرتے، مفاد پرست سیاسی دعوے داروں کی طرح اس کا نعرہ ہی نہیں لگاتے۔ وہ نعروں کے نہیں عمل کے قائل ہیں۔ انہوں نے اپنے والد کی روشن راہوں پر چلتے ہوئے جدوجہد کا راستہ اپنایا ہے۔ وہ راستی اور عزیمت کی راہ کے کبھی نہ تھکنے والے مسافر ہیں۔ انہوں نے جاہ و منصب کی خواہش کو گلے کا کانٹا بنانے کی بجائے درویشی اور خدامستی کی قبا پہننا پسند کی ہے۔

وہ تخت و تاج کے رسیا نہیں خدائی راج کے خواہاں ہیں۔ اسی لئے تو اپنے باپ کے اس نصب العین کا بارِ امانت اٹھائے ہوئے ہیں "کہ اللہ کی دھرتی پر اللہ کے قانون ہی میں ابنِ آدم کی بقاء کا راز مضمر ہے۔

انکی مجلسوں میں بیٹھنے والے انکے نقطۂ نظر انکے سیاسی فلسفے اور ان کے طرزِ عمل سے اختلاف کر سکتے

ہیں تاہم ان کے اخلاص نیک نیتی اور دیانت پر کبھی شک نہیں کیا جا سکتا۔ انکے والد کی دعاؤں کے صدقے اور اعلیٰ فکری و سماجی تربیت کے طفیل مہر و مروت اور خلوص و وفا کے جذبے سے سرشار ہو کر ان کی محفلوں میں حاضر ہونے والے بالاخر ان کی مومنانہ فراست، تدبر اور استدلال سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

شاہ جی کے بیٹوں نے نسلی یا نسبی تفاخر میں مبتلا ہو کر محض ہاشمی ہونے کی وجہ سے دیگر مسلمانوں سے اپنے آپ کو کبھی افضل و اعلیٰ قرار نہیں دیا بلکہ اس اعزاز کو محض تعارف اور پہچان ہی کا ایک وسیلہ سمجھا۔

عصر حاضر کے دیگر بد دیانت، اقرباء پرور، خود غرض، مفاد پرست، سیاسی و مذہبی اجارہ داروں کی طرح انہوں نے محض اپنے خاندان کے کارناموں یا اپنے والد مرحوم ہی کی ذات و صفات کا پرچم بلند نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے والد کی سب سے بڑی اور قیمتی نشانی مجلس احرار اسلام کے نام اور کام کو اپنے لہو سے زندہ رکھا۔ وہ جہاں اپنے قابلِ قدر باپ کے قابلِ فخر کارناموں پر ناز کرتے ہیں وہیں وہ چودھری افضل حق، ماسٹر تاج الدین، شیخ حسام الدین۔ مولانا گلشیر شہید، دیگر اکابر اور رضا کاران احرار کی اجتماعی جدوجہد کو بھی کمال دیانت، ذمہ داری اور چاہت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

مجلس احرار اسلام کی جدوجہد تاریخ آزادی کا بالعموم اور تاریخ اسلام کا بالخصوص ایک روشن اور ناقابل فراموش باب ہے۔ اس انمول فکری اور ملی سوغات کا ہم تک پہنچنا محال ہوتا اگر اس کوشش کے پیچھے شاہ جی کے فرزندوں کا ایثار شامل نہ ہوتا۔ اپنے باپ کے نقوش پا پر چلتے ہوئے انہوں نے دنیاوی طور پر ہمیشہ خسارے کے سودے کئے اور اپنے عیش و آرام سکھ اور سکون حتیٰ کہ اپنے اپنے جیون کو اپنے والد کی راہ پر قربان کر کے تاریخ حریت کا لہو رنگ گلدستہ علم کے زندہ ایوانوں میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے سجا کے رکھ دیا تاکہ قیامت تک آنے والی نسلیں اس کی مہک سے ولولہ تازہ حاصل کرتی رہیں۔

بے شمار لوگوں کا کہنا ہے اور اپنے اس فرمان کو عام کرنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ کہ شاہ جی کے بیٹے، ضدی، ہٹ دھرم، بزرگوں کے گستاخ، سخت مزاج، تلخ گفتار اور وقت کے تقاضوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ سیاسی اور مذہبی اشتراک عمل کے قائل نہیں۔ کسی سے انکی بنتی نہیں۔

میرا مشاہدہ، یقین اور وجدان اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ متذکرہ خیال راست گفتار اور دیانت دار لوگوں کی سوچ کا آئینہ دار نہیں بلکہ ابنائے وقت سیاسی جیب کتروں حرام مال کھانے والے قلمکاروں، فکر و نظر سے عاری مذہبی بہروپیوں اور دنیا دار علماء سوء کی کج روی اور باطل سوچ کا نتیجہ ہے۔

یہ بات درست ہے کہ سیاسی سماجی تہذیبی معاشرتی اور دینی حوالوں سے کسی بھی مقام پر کسی بھی حالت میں وہ مصلحت اور ملاوٹ کو پسند نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک کامیابی اور ناکامی کا معیار ہمارے دور کے دوسرے رہنماؤں سے بالکل مختلف ہے۔ صحیح اور سچے عقیدے کو ڈھال بنا کر خالص دینی سوچ اور

اسلامی فکر کی چھاؤں میں وہ قرآن حکیم اور ارشادات نبوی کی روشنی میں علماء حق اور اسلاف کی تعبیر و تفسیر کے مطابق کلمۂ حق بلند کرنے کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں اور ظاہری نتائج سے بے پرواہ ہو کر وہ رشد و ہدایت کے اس سفر پر رواں دواں ہیں۔

تاریک، غیر اسلامی، غیر شریفانہ، اور ناجائز ذریعوں سے حکومت الٰہیہ کا قیام عمل میں آئے یہ انہیں منظور نہیں۔ وہ ایک ایسے سچے اور لازوال انقلاب کے خواہاں ہیں جو پیغمبر اعظم و آخر اور انکے پیارے ساتھیوں کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر برپا ہو۔

میں آج بھی جزوی طور پر احرار کی سیاسی حکمت عملی سے اختلاف رکھنے کے باوجود فکری اعتقادی نظریاتی اور سیاسی حوالوں سے شاہ جی کے فرزندوں کی رائے کو مبنی بر حق خیال کرتا ہوں۔ علم و دانش کے جتنے موتی میں نے ان کی محفلوں سے چنے ہیں وہ میری حیات مستعار کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے اس ملک میں خالص دینی انقلاب کی کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کی گئی۔ اس ملک میں کبھی جمہوریت کا راگ الاپا گیا تو کبھی سوشلزم کے گیت گائے گئے افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ ہمارے علماء بھی وقفے وقفے سے اس دامِ فریب کے اسیر ہوتے رہے۔ اور آج تک اس تاریک غار سے باہر نہیں نکل پائے۔ شاہ جی کے فرزندوں اور ان کی جماعت نے اپنے محدود وسائل کے اندر رہتے ہوئے حزب اللہ کا کردار ادا کیا ہے۔ شاہی، صدارتی پارلیمانی یا جمہوری طرز سیاست کی بجائے وہ اسلام کے شورائی نظام کے احیاء میں ہی مسلم دنیا کی عافیت سمجھتے ہیں۔ توحید و ختم نبوت کا مفہوم جیسا انہوں نے بتایا اسے اچھی طرح سمجھا اور پلے باندھ کر رہنمائے زیست بنا لیا اور ان شاء اللہ یہی توشۂ آخرت بھی ہے۔

یہ اللہ لوگ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ سفر کرنے کی بجائے اس منہ زور گھوڑے کی لگام اپنے ہاتھوں میں رکھ کر منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہیں اور ایسے میں سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری دامت برکاتہم کا یہ کہنا حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے کہ:

جو قصدِ منزلِ حق ہے تو پھر کتاب مُبیں کو
ہجوم تیرہ شبی میں چراغ راہ بناؤ

قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ اسوۂ ازواج و اصحاب رسول علیہم الرضوان سے روشنی حاصل کرنے کا درس بھی انہی باشعور مبلغوں سے ملا ہے۔ جاں نثارانِ نبی کو معیارِ حق تسلیم کرنے کا فلسفہ بھی انہی سنیوں کی دین ہے۔

جھوٹی عقیدت اور گم کردہ راہ ارادت نے تاریخ کے نام پر جو زہر گھولا شاہ جی کے فرزندوں کے پاس اس کا تریاق موجود ہے کذب و افترا پر مبنی روایات کی ظلمت میں گم ہونے والی امت کو حقیقت حال سے آگاہ رکھنا ان درویشوں نے اپنا اصولِ زندگی بنا لیا ہے کہ کہیں صداقتیں آہستہ آہستہ نذرِ خرافات نہ ہوتی چلی

جائیں۔

فکری روحانی اور نظریاتی بیماریوں کے ان گنت مریض حضرت امیر شریعت کے فیاض اور حکیم بیٹوں سے شفایاب ہو چکے ہیں۔ مستعمل تاریخی روایات جو صدیوں سے حق پرست اسلاف کے کردار کو مسخ کر رہی تھیں سید ابوذر بخاری اور ان کے بھائیوں نے ان کے آگے اپنے سچے اور روشن تاریخی شعور کا آئینہ رکھ دیا ہے۔ جس میں وہ پاکیزہ شکلیں اپنے اصل حسن کے ساتھ نظر آنے لگی ہیں۔

خدا سے ایک زندگی لے کر آنے والے یہ فرزندانِ اسلام بیک وقت کئی محاذوں پر اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے سرگرم عمل ہیں۔ پاکستان بنا تو احرار کا نام لینا جرم سمجھا جانے لگا۔ لوگ آہستہ آہستہ اس نام سے براءۃ کا اظہار کرنے لگے۔ اپنے قول بھولنے لگے۔ اپنے ماضی پر شرمسار نظر آنے لگے۔ بھاگنے کے لئے بہت سی دلیلیں اور فرار کے لئے بے شمار حیلے انکی مٹھی میں بند تھے۔ سوانہوں نے سہولت اور عافیت کی زندگیاں گزارنے کیلئے غیروں کی پناہ گاہوں میں بسیرا کر لیا لیکن۔ یہ۔ یہ۔ جن کی رگوں میں عطاء اللہ شاہ بخاری کا خون تھا جو ہاشمی غیرت کے امین تھے۔ یہ اپنے قول کے پکے نکلے۔ یہ تو اپنے باپ سے غداری کا سوچ بھی نہ سکتے تھے سوانہوں نے وفا کی لاج رکھی۔ احرار کی آبرو کے محافظ بن گئے۔

باپ کی وفات کے بعد احرار کا سرخ پرچم بلند کیا اور آج تک اسے بلند رکھے ہوئے ہیں۔ وہ احرار کے قیام اور اس کی ترویج و ترقی کو اپنے اوپر لازم قرار دیئے ہوئے ہیں۔

وہ چاہتے تو حکمرانوں سے دوستی کر سکتے تھے۔ وہ چاہتے تو ارباب اختیار کی رنگینیوں سے اپنی مرضی کے رنگ چن سکتے تھے۔ وہ پیر بن کر اپنے باپ کے مریدوں کی دولت دونوں ہاتھوں سے لوٹ سکتے تھے۔ لیکن اس کیلئے ضمیر گروی رکھنا پڑتا تھا۔ سو ساری زندگی یہی کام ان سے نہ ہوسکا۔

وہ اللہ، اس کے رسول ﷺ، اور رسول کے ساتھیوںؓ کے چاہنے والوں کے چاہنے والے اور انکے دشمنوں کے دشمن ہیں۔ تبلیغی سفر کے دوران ان کے ایک ہاتھ میں عقیدت کی تسبیح ہوتی ہے تو دوسرے ہاتھ میں عقیدے کا چراغ۔ وہ اپنے عظیم باپ کی تابندہ اور روشن تعلیمات کے سچے اور کھرے امین ہیں۔ میں اکثر سوچتا رہتا ہوں۔

جس باپ کے بیٹے ایسی شاندار اور ایمان افروز خوبیوں کے مالک ہوں وہ خود۔۔۔ کیسا۔۔۔ ذی شان۔۔۔ اور والا صفات ہوگا۔